Article

Novel, its Philosophical Foundation and Urdu " "Novel

ناول، ناول کا فکری ارتقا اور اُردو ناول

Dr Zafar Hussain Harral*[1]
Associate professor, Department of Urdu, Bahuddin Zakariya University, Multan.

Dr. So Yamane*[2]
Professor, Graduate School of Language and Culture, Osaka University, Osaka, Janpan

1۔ڈاکٹر ظفر حسین ہرل

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، بہاالدین زکریا یُونیورسٹی، ملتان

2-ڈاکٹر سویامانے یاسر

پروفیسر، گریجویٹ اسکول آف لینگوئج اینڈ کلچر، اوساکا یونیورسٹی، جاپان

Correspondanance: zafarharral@yahoo.com

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 21-07-2024
Accepted:25-09-2024
Online:26-09-2024

CC BY

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of

Abstract: Novel as a genre is not an indigenous artifact. It is most popular and prominent genre of the world literature. So that is true for Subcontinent. Urdu is the first language of more than half of the population of Subcontinent and Urdu Novel has the same feature and popularity which is believed for international Novel.This article ponders on the basic definition of novel from the western perspective. Firstly it deals with the question that is the novel developed form of old style tales and Drama or it has some other philosophical foundations. Secondly it describes that Urdu Novel is not a developed form of DASTAN. Essay concludes that novel as genre is the product of modern era of electricity and democratic form of social setup. This is basic philosophical perspective in which Urdu Novel laid its foundation

the Creative Common Attribution (CC BY) license

in British Era subcontinent.

KEYWORDS:Novel , Plot, Characters, Jane Smiley, Philosophical Foundation of Novel Development, Democratic social setup, Urdu Novel, British Era. Nineteenth Century, DASTAN.

اردو ادب میں ناول کے نقادوں نے ناول کی روایت کی ابتدا اور تعریف ہمیشہ مغربی ادب کے حوالوں سے اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔ناول اطالوی زبان کا لفظ Novella ہے جو اردو میں انگریزی کے توسط سے آیا ہے۔اطالوی میں اس لفظ کے معنی خبر اور کہانی ہیں۔ناول Novel نئی اور انوکھی چیز،بات،واقعہ وغیرہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے(۱)۔ناول ایسا منثور فن پارہ ہے جس کو ادب کی بنیادی اصناف،شاعری،ڈرامہ اور فکشن میں سے فکشن میں شامل کیا جاتا ہے لیکن اس کی کوئی جامع تعریف کرنا آسانی سے ممکن نہیں ہے۔ناول ایسی اصطلاح ہے جس کا اطلاق کسی فن پارے پر کرنا تو بہت آسان ہوتا ہے لیکن یہ کہنا کہ ناول کیا ہے بہت مشکل ہے۔آسانی کے لیے اس کی کوئی بھی تعریف جو کسی اہم نا قدنے کی ہے قبول کی جاسکتی ہے لیکن پھر بھییہ تعریف پوری طرح ناول کی صنف کا احاطہ نہیں کر سکے گی کچھ ناول ضرور ایسے مل جائیں گے جن کے تمام اجزاءناول کی اس قبول کی گئی مکتبی تعریف کے دائرے میں نہیں سما سکیں گے۔

ناول وہ فن پارہ ہے جس میں زندگی کی جیتی جاگتی تصویر ابھرتی ہے اس میں جس عالم کی عکاسی کی جاتی ہے وہ ہماری دنیا سے مشابہت کے باوجود مخصوص انفرادیت کی حامل ہوتی ہے۔یہ انفرادیت مصنف کی شخصیت اور اس کی تخلیقی صلاحیت سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔دوسرے لفظوں میں فنکار اپنے تخیل سے ہی اپنی تصویروں میں رنگ بھرتا ہے لیکن کسی بھی فنکار کے یہاں اس کے جملہ تجربوں اور مشاہدوں کے کسی خاص پہلو ہی کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔اکیسویں صدی کی انگریزی کی ناول نگار اور پلٹزر پرائز جیتنے والی مصنفہ جین سمائیلے(Jane Smiley) ناول کے خیال کے مطابق ناول بہت زیادہ پیچیدگی کا حامل ہوتے ہوئے بھی بڑا اسادہ ہے بس اس میں پانچ بنیادی صفات ہونا چاہیے۔

(ا)۔یہ لمبا ہو (ب)۔یہ لکھا ہوا ہو۔(تحریری شکل میں ہو)(ج)۔یہ نثر میں ہو۔(د)۔یہ بیان کیا جارہا ہو۔(ہ)۔ اس میں ہیرو ہو (Protagonist)(۲)

سمائیلے کے خیال کے مطابق لمبائی ہی کسی ناول کی بنیاد کو متعین کرتی ہے یہ لمبائی مخصوص نہیں،کچھ بھی ہو سکتی ہے مثلاًہینری فیلڈنگ کا ناول 'ٹام جونز' ایک ہزار صفحے کا ہے جبکہ جوزف کانریڈ کا 'ہارٹ آف ڈارک نیس' سو صفحے کا ہے۔اسی طرح وہ باقی چاروں صفات کے بارے میں بھی اپنے مخصوص خیالات کا اظہار کرتی ہے۔تاہم یہ پانچوں عناصر ناول

کے بنیادی عناصر ہیں اگر ان میں سے کوئی بھی عنصر منہا کر دیا جائے تو ناول ناول نہیں رہتا۔ ہاں کچھ اور اضافی عناصر بھی ناول میں ہونا ضروری ہیں جو بیان کردہ عناصر کے ساتھ مل کر ناول کو مکمل کرتے ہوئے اس کو پیچیدگی کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہ اضافی خوبیاں کردار، پلاٹ، مرکزی خیال، سیٹنگ، اسلوب، نقطہ نظر، مزاج، تاریخی سچائیاں، فلسفیانہ گہرائی، انقلابیا انکشافی اثر، حظ، بصیرت، سچائی، فوقیتیا برتری ہیں۔ یہ اضافی خوبیاں پانچ بنیادی عناصر کے ساتھ مضبوط ربط بناتے ہوئے ابھر کر سامنے آتی ہیں اور ناول سادگی سے پیچیدگی کی طرف سفر کرتا ہے(۳)۔

انسان کی ذہنی کاوشوں کے نقش و نگار ادب کی بنیاد بنتے ہیں اور اس کی غائیت مسرت اور بصیرت ہے۔ زندگی میں تصادم اور تضاد کی کیفیات کے سبب انسان کی ذہنی ترقی ہوئی جس سے اس کی بصیرت میں اضافہ ہوا۔ اس بصیرت کے سبب معاشرہ صنعتی ترقی، سائنسی شعور اور سیاسی بیداری کی طرف چلا تو ناول پیدا ہوا۔ گویا ناول صنعتیترقی، سائنسی شعور اور سیاسی بیداری کی دین ہے۔ ناول میں زندگی کو فروغ دینے والی تصادم اور تضاد کی کیفیات کہانی کو جنم دے کر بصیرت عطا کرتی ہیں۔ ناول میں زندگی تو سچائی کا عنصر ہے جو موضوع ہے اور دلچسپی پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔ اسی طرح سماجی، سیاسی، معاشی اور جذباتی مسائل ناول کو معاصر دور کی دستاویز بناتے ہیں۔ جان پیک کے مطابق

> "ناول ایسی تحریری دستاویز ہے جو ایک مخصوص فرد اور اس معاشرہ کے مابین چپقلش (تصادم اور تضاد) کو بیان کرتی ہے جس میں وہ زندگی گزار رہا ہے۔"(۴)

ناول کا دوسرا پہلو اس کی مسرت افزائی، لطف اور حظ، ناول میں ادبی وسائل کی ہنر کاری اور تخلیقی جدت کے مرہون منت ہے۔ عظیم ناولوں میں نظم، ڈرامہ اور داستان کے تمام فنی وسائل کو برتا جاتا ہے تو وہ عظیم غنائیہ کا درجہ حاصل کرتے ہیں۔ یہی ادبی وسائل ناول کو ایک پھلتے پھولتے جوہر اور نامیاتی کل میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ بے شک بڑا ناول اس دور، اور اس دور سے بھی کیوں مخصوص کریں، ہر دور میں انسانی جذبات و احساسات اور مسائل سے بھری زندگی میں انبساط کے چند لمحے قاری کو میسر کرتا ہے اس کو چند لمحوں کے لئے اس دکھوں بھری دنیا سے دور لے جاتا ہے اور یہی اس کی بنیادی غائیت ہے۔

اردو ادب میں عام طور پر افسانہ اور ناول کو الگ الگ دیکھا جاتا ہے۔ افسانہ زندگی کے کسی خاص لمحے کی موضوعی پیش کش ہے جبکہ ناول ایک شخص کی پوری زندگی کا بیانیہ ہے۔ افسانہ ایک نشست میں پڑھا جاتا ہے جبکہ ناول کو ایک ہی نشست میں ختم کرنا ممکن نہیں ہوتا ہے۔ افسانہ کا زمانہ مختصر ہے، یہ زندگی کے چند لمحوں یا چند دنوں کی بات کرتا ہے جبکہ ناول کسی فرد کی پوری زندگی پر محیط ہوتا ہے۔ ناول، ناولٹ اور افسانہ میں ابتدا، کشمکش یا عروج اور اختتام ہوتا ہے۔ ناول میں موجود تماعناصر ناولٹ میں بھی ہوتے ہیں۔ لیکنیہ سارے عناصر مختصر اور محدود کینوس بناتے ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر کے بقول ناول اور ناولٹ میں صرف طوالت اور اختصار کا فرق ہے(۵)۔

ناول اور افسانے میں ایسی بہت ساری مثالیں تلاش کی جاسکتی ہیں جو ان بنیادی تعریفوں سے انحراف کرتی ہیں مثلاً غلام عباس کا افسانہ 'آنندی' صدیوں کی داستان بیان کرتا ہے۔ اس کے بر عکس سجاد ظہیر کا ناول 'لندن کی ایک رات' بہت ہی مختصر وقت پر محیط ہے۔ ہم سجاد ظہیر کے اس ناول کو افسانہ نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح 'آگ کا دریا' کم و بیش چار ہزار سال کی تاریخ کا احاطہ کرتا ہے جس میں کوئی مرکزی ہیرو نہیں ہے۔ سید محمد اشرف کا 'نمبردار کا نیلا' ایسی کہانی ہے جس کو کچھ نقاد ناول، کچھ ناولٹ اور کچھ افسانہ کہتے ہیں، اس میں معروف لفظوں میں ہیرو نہیں ہے۔ پائیلو کوئیلو کے ناولوں میں ابتدا اور کشمکش آخر تک نظر آتی ہے لیکن خاتمہ لمحوں میں ہو جاتا ہے۔ جارج آرویل کے ناول 'اینمل فارم' میں تمثیلی انداز اختیار کیا گیا ہے۔

دراصل ایک عظیم تخلیق کار ہی اپنی تخلیق کے ذریعے کسی صنف ادب کو اعتبار بخشتا ہے۔ سو جس طرح کسی عظیم تخلیق کار نے کہانی کو بیان کیا، جو اسلوب اور ڈھانچہ اس نے ترتیب دیا اور جو بیانیہ اس نے منتخب کیا جو نام اس نے فن پارے کو عطا کیا، اگر قاری نے اسے قبولیت کا شرف بخشا اور وہ جمالیاتی اور فکری سطح پر وہ اتنا پر تاثیر ثابت ہو کہ زمان و مکان کی قید سے نکل کر لوگوں کی زندگیوں پر اثر انداز ہو تو اس فن پارے نے نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ اس صنف ادب کو بھی اعتبار بخشا۔ وارث علوی کے خیال کے مطابق:

> "ادبی تاریخ بتاتی ہے کہ اصناف سخن اسی وقت بڑی بنی ہیں جب انہیں تاجوران سخن نے اعلیٰ ترین تخلیقی سرگرمیوں کے لیے استعمال کیا ہے۔ ڈرامے کو ڈراما شیکسپئر، شا، ابسن اور برخ نے بنایا ہے۔ ڈرامہ ہمارے یہاں بھی تھا، نوٹنکی کی سطح سے بلند ہی نہ ہو پایا۔ غزل کو غزل سعدی اور حافظ، میر اور غالب نے بنایا۔ صنف سخن میں فی نفسہ کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی کہ وہ بڑا ادب تخلیق کرے، بڑی صنف نہیں ہوتی شاعری ہوتی ہے۔ نقاد اصناف سخن کو نہیں شاعری کو دیکھتا ہے اور حسب ضرورت صنف سخن میں رکھ کر۔ اردو ناول کو بڑے فنکار نہیں ملے تو وہ کہاں ہے؟ افسانہ کو بڑے فنکار ملے تو وہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔"(۶)

ناول کی مزید تعریفوں کا جائزہ لیں تو ناول ادب کی اس بڑی شاخ کا حصہ بنتا نظر آتا ہے۔ جہاں ناول، افسانہ اور ناولٹ اس صنف کا حصہ بن جاتے ہیں جس کو 'فکشن' کہا گیا ہے۔ آج ناول کو زمانے میں اعتبار حاصل ہو چکا ہے سو جو بھی اصول اور بنیادی پیرامیٹر ہمارے سامنے آتے ہیں ہم ان کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ لہٰذا ہم یہاں اس بحث میں پڑنے کی بجائے کہ ناول کیا ہے؟ اور سب سے پہلے کس نے کونسا ناول لکھا؟ اس طرف چلتے ہیں کہ ناول کس فکری دور سے ارتقاء پذیر ہوتا ہوا آج ہمارے پاس پہنچا ہے۔

شہنشاہی نظام اور جاگیر دارانہ سماج کے بتدریج انحطاط کے ساتھ صنعتی اور تجارتی معاشرہ ابھرا، سائنس کی ترقی نے انسان کو کائناتی حقیقتوں کے قریب تر کر دیا، جب عام انسان کو معاشرے میں اہمیت حاصل ہوئی، علم عام ہوا، لکھنا پڑھنا خواص سے ہٹ کر عام شخص کا بھی حق ٹھہرا تو زندگی طلسماتی بھول بھلیوں سے نکل کر عقلی توجیہات کے دور میں داخل ہوئی۔ کہانی کہنے اور سننے کی ریت بادشاہ اور نواب کی محفل سے اٹھ کے عام آدمی تک پہنچی۔ داستانوں اور رزمیہ کہانیوں کا دور ختم ہوا، تو فکشن حقیقی زندگی کا نمائندہ بن کر ابھرا۔ قدیم وماقبل دور میں جس میں داستانیں سنائی جارہی تھیں کے خاتمے کے ساتھ سترھویں صدی کے کہیں نصف آخر میں حقیقت پسندی کا دور شروع ہوا جہاں عام انسان کو کہانی کا موضوع بنایا گیا۔ جب واقعیت پسندی کے شعور کے فروغ نے فرضی ماحول کی بجائے ارضی ماحول کی پیش کش کے میلان کو تقویت دی تو ساتھ ہی قصوں میں سماجی زندگی کی مصوری کو اہمیت دی جانے لگی۔ اسی روایت کی مدد سے برصغیر میں اردو ناول کی تاریخ اور ابتداء مرتب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کچھ دوسروں نقادوں نے ناول کو داستان کی ترقیافتہ صورت کہا ہے اور چھاپہ خانہ کی آمد کے ساتھ ادب کا رشتہ جمہور سے جوڑتے ہوئے عام انسان کو قصہ کی بنت میں شامل کرتے ہوئے عام انسانوں کے احساسات اور سماجی مسائل کو ناول کا حصہ بنایا ہے۔

دراصل ناول کی معروضی تعریف کے بغیر اس کی ابتدا کا تاریخی تعین کرنا ایک مشکل عمل ہے۔ اگر ناول کی تعریف کی جائے کہ یہ ایک لمبی کہانی ہے جس میں حقیقی زندگی کی جھلک موجود ہوتی ہے اور واقعات کو اجتماعی صورت حال کے مطابق ترتیب دینے کی کوشش کی جاتی ہے تو اس کی تاریخ بہت ہی قدیم ہے۔ اگر ناول کو داستان کی ترقیافتہ صورت کہا جائے تو ہمیں اردو ناول کی تاریخ داستان سے شروع کرنا ہوگی، اس طرح داستانوں کی ادبی خصوصیات کو مدنظر رکھ کر جہاں ان میں بنیادی تبدیلیاں آنا شروع ہوئیں ہیں وہاں سے ناول کی ابتدا ہوگی۔ اور اگر ہم اردو ناول کی روایت کو مغربی ادب سے جوڑتے ہوئے دیکھتے ہیں تو جب ڈپٹی نذیر احمد نے اپنی گھریلو ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اصغری اور اکبری کا قصہ لکھا تو پہلا اردو ناول "مراۃ العروس ۱۸۶۹ء" وجود میں آیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اردو ناول کی ابتدا اردو زبان کی طرح دلی میں ہوئی لیکن لکھنؤ میں عبدالحلیم شرر وہ پہلا شخص ہے جس نے اپنے مضامین میں ناول کا لفظ استعمال کیا ہے(۷)۔

عملی طور پر تحقیق و تنقید میں بہر حال ایک خلقی موء خریت ہے کہ انجام کار ثانوی اور اشتقاقی نوعیت کی چیزیں ہیں اور کسی فن پارے کے متعلق تمام اسرار تو اسی تخلیق میں ہی پوشیدہ ہوتے ہیں۔ تحقیق و تنقید صرف جو کچھ فن پارے میں وجدانی طور پر موجود ہوتا ہے اسے عقلی طور پر منظم کرتی ہیں۔ اس لیے باہر سے کوئی کلیہیا اصول اس طرح وضع نہیں کیا جاسکتا کہ وہ فکشن کے ان ضمنی اضاف کو الگ الگ نام دے سکے(۸)۔

عظیم فن پارے جو کسی عظیم تخلیق کار کے قلم سے نکلتے ہیں ان میں اپنا نظام اخلاق ہوتا ہے اس لئے ان کی خواندگی سے ہی تنقیدی اصول مرتب کیے جانے ضروری ہیں۔ ارسطو نے بھی قدیم یونانی فن پاروں کو مد نظر رکھ کر ٹر یجڈی کے اصول وضع کئے تھے۔ اس کی پیروی میں یہاں بھی ہم کسی بیرونی اصول کی مدد سے کسی فن پارے پر حکم نہیں

لگا سکتے کہ وہ ناول ہے یا افسانہ یا ناولٹ؟ ہمارے ہاں فکشن کی تنقید کی عمر بہت ہی کم ہے، گو اس کی عمر مغرب میں بھی اتنی زیادہ نہیں ہے۔ وارث علوی کے مطابق:

"فکشن کی تنقید کی روایت خود مغرب میں بھی اتنی قدیم اور توانا نہیں ہے جتنی کہ شاعری کی تنقید کی روایت۔ اور وجہ صاف ہے کہ ناول اٹھارھویں صدی سے شروع ہوتا ہے اور افسانہ تو بیسویں صدی کی پیداوار سمجھو۔ نقاد فکشن کی تنقید کا کوئی موزوں اور مناسب طریقہ کار پروان نہیں چڑھا سکا۔ شاعری کی تنقید کی روایت تو ڈھائی ہزار سال پرانی ہے، جب کہ فکشن کی تنقید کی عمر سو سال کی بھی نہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ شاعری کی حکمرانی طویل عرصے پر پھیلی ہوئی ہے اور نشاۃ الثانیہ کے بعد ہی اس تسلط کی حدود سمٹنے لگتی ہیں اور نثر اپنا لوہا منوانے لگتی ہے۔"(۹)

ناول کے فکری ارتقاء کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

ا۔ حقیقت پسندی کا دور ب۔ جدیدیت کا دور ج۔ مابعد جدیدیت کا دور

ناول کے تاریخی ارتقاء کو عملی اعتبار سے ان فکری ادوار میں آسانی سے تقسیم نہیں کیا جا سکتا لیکن ہر دور کے فکشن کی چیدہ چیدہ خوبیاں متعین کرنا ممکن ہیں۔ حقیقت پسندی کے دور میں کردار، واقعات اور بنت کی مدد سے ایسا نمونہ پیش کیا جا تا رہا ہے جو حقیقی زندگی کے قریب تر سمجھا جاتا ہے۔ اردو میں مرزا محمد ہادی رسوا کا 'امراؤ جان ادا' پہلا ناول ہے جو حقیقت نگاری کے اسلوب میں تحریر ہوا ہے(۱۰)۔

وقت کے ساتھ انسانی مسائل کو زیادہ پیچیدہ انداز میں بیان کرنا شروع کیا گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جدیدیت کی اصطلاح استعمال ہونا شروع ہوئی جس میں یہ دکھایا گیا کہ ناول حقیقت پسندی کے بنیادی اصولوں سے انحراف کر رہا ہے۔ کردار کے شعور اور داخلی کیفیات کی بات کی جانے لگی۔ لیکن کیا ناول میں ایسی صورت حال دوسری جنگ عظیم کے بعد شروع ہوئی؟

ایسا نہیں ہے۔ حقیقت پسندی کے بنیادی اصولوں سے انحراف اور کردار کے شعور کی بات اس سے بہت پہلے بھی کی جا رہی تھی۔ جیسے ورجینیا وولف کا ناول 'ویوز' حقیقت پسندی کے دور میں لکھا گیا لیکن اس میں جدیدیت والی خوبیاں بھی موجود ہیں۔ خصوصی طور پر کہا جاتا ہے کہ ناول کے بنیادی کردار کی داخلی کیفیات کو جب ظاہری واقعات پہ فوقیت دی جانے لگی تو جدیدیت کا دور شروع ہوا۔ جدیدیت کے دور میں ناول نگاروں نے جب فرد کی ذات کے مسائل اور داخلی کیفیات کی طرف توجہ دی تو اس کے نتیجہ میں افسانوی بیانیہ کے کئی نئے طریقے سامنے آئے۔ بیانیہ میں شعور کی رو، فلیش بیک، آزاد تلازمہ خیال اور داخلی خود کلامی وغیرہ کا استعمال جدیدیت کی دین ہے۔ تاہم جدیدیت کے کچھ منفی پہلو بھی نا

ولوں میں نظر آئے۔ مثلاً جدیدیت کے زیر اثر لکھنے والوں نے قنوطی انداز میں دنیا کے بارے میں غیر یقینی رویہ اپناتے ہوئے انسان کو تنہا اور الگ تھلگ دکھایا۔

مابعد جدیدیت کی اصطلاح پہلی بار ۱۹۳۰ء کی دہائی میں استعمال کی گئی لیکن اس کا عام چلن یورپ اور امریکہ میں پچھلی صدی کی آخری چار دہائیوں سے ہو رہا ہے۔ مابعد جدیدیت کی کوئی مکتبی تعریف آسانی سے کرنا ممکن نہیں ہے۔ ایک تو اس کی کوئی اہم مثال نہیں دی جاسکتی دوسرا اس کی کوئی زمانی حدود متعین نہیں کی جاسکتیں۔ معروف معنوں میں وہ بنیادی اور اہم خصوصیات جن کو جدیدیت کے دور میں شامل نہیں کیا جاسکتا ان کو مابعد جدیدیت کی اصطلاح کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے۔ مابعد جدیدیت کی اصطلاح کی وضاحت تین طرح سے کی جاسکتی ہیں۔

ا۔ ایسا غیر حقیقت پسندانہ اور غیر روایتی ادب ہے جو دوسری جنگ عظیم کے بعد پیدا ہوا۔

ب۔ ایسا ادب جس میں جدیدیت کی خصوصیات اپنی انتہائی سطح پر نظر آتی ہیں۔

ج۔ ایسا معاشرہ جو سرمایہ دارانہ نظام کی پیداوار ہے جو ثقافت، آئیڈیالوجی اور فن کو متاثر کر رہا ہے جہاں جدید مواصلات نے معلومات کی بہتات اور الیکٹرانک کی صنعت نے انسانی معاشرہ کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ معاشرہ میں ان تبدیلیوں کے خلاف کچھ رد عمل دکھانے کی بجائے مابعد جدیدیت پسندوں نے ان کا والہانہ استقبال کیا ہے۔ اور فن کی مسرت آمیز خوشبو کی قربانی دے کر ادب میں خالی پن کو قبول کیا ہے۔ جدیدیت کا اہم مبلغ اور مابعد جدیدیت کا سب سے بڑا پرچارک والٹر بنجمن اس ساری صورت حال کو فنی پیداوار (Mechinical Reproduction) کا نام دیتا ہے[۱۱]۔ ناول میں جادوئی حقیقت نگاری (Magic Realism) کا استعمال بھی مابعد جدید دور کی خاص پیداوار ہے۔ حاصل یہ کہ مابعد جدیدیت کی سب سے بڑی اظہاری خصوصیت کٹ، کاپی، پیسٹ کے ذریعے نئی اشیاء کی پیداوار ہے۔ جہاں فنکار دنیا جہان کے وسیع علمی اور فنی ذرائع کو استعمال میں لا کر جدید بے نام فن پارہ تخلیق کرتا ہے۔ ادب، فلم، ڈرامہ اور مصوری کی تخلیق کو کمپیوٹر نے خلق مسرت افروزی کی بجائے تکنیکی پیداوار بنا کر رکھ دیا ہے۔

مابعد جدیدیت اور پس ساختیات کی فلسفیانہ خصوصیات کے درمیان بنیادی رشتہ استوار کیا جاسکتا ہے۔ مابعد جدیدیت کے مختلف پہلو پس ساختیاتی اور ردِ تشکیلی مفکرین مثلاً ڈریدا، مشل فوکو، ژاک لاکاں اور ٹیری ایگلٹن کے ہاں موجود ہیں۔ جنھوں نے زبان، ادب، مذہب اور فلسفیانہ فکر میں کسی بھی طرح کے مرکز کو ختم کرنے کی بات کی ہے[۱۲]۔

مابعد جدیدیت کے بارے میں دائیں بازو کے مفکرین شک کرنے والے انداز میں یہ کہتے ہیں کہ دراصل حقیقت میں ایسی صورتحال معاشرے میں موجود نہیں ہے جو فرد کو تنہا اور مشین اور ٹیکنالوجی کے سامنے بے بس کر رہی ہے بلکہ یہ ان فنکاروں اور مفکرین کا المیہ ہے جو معاشرے میں تنہا اور الگ تھلگ ہیں۔ وہ اس صورت حال کی تعمیم کرتے ہوئے پورے معاشرے اور اس کے فنکارنہ مظاہر پر اپنی نفسیاتی کیفیت کو لاگو کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔۔ جیسے جان فرو نے ۱۹۹۷ء میں لکھا کہ مابعد جدیدیت کی فکری بنیاد بہت غیر مربوط (Incoherent) ہے[۱۳]۔

بجائے اس سوال کہ اردو میں ناول کی ابتدا کب ہوئی اگر ناول کو اس طرح دیکھا جائے کہ وہ داستان کی ترقیافتہ اور عصری حالات کے تحت پیدا ہونے والی صنف ادب ہے تو یہ بات بالعموم کہی جاتی ہے کہ بر صغیر پاک وہند میں داستان جدید ناول اور مختصر افسانے کے ارتقائی تسلسل میں پہلا سنگِ میل ہے(۱۴)۔

اگر اوپر والی بات کو مان لیا جائے تو ضروری ہو جاتا ہے کہ داستان کی چند بنیادی خوبیاں اور بر صغیر میں اردو داستان کے ارتقاء پر روشنی ڈالی جائے تاکہ آج کے اردو ناول کے بنیادی عناصر اور اس میں مقامی رنگ کی آمیزش کو سمجھنے میں مدد مل سکے۔داستان کہانی کی سب سے اولین قسم ہے ۔ اس سے مراد ایسی کہانی ہے جس میں تخیل ،رومان اور فوق الفطرت عناصر شامل ہوں۔ یہ لکھنے پڑھنے سے زیادہ سننے کی چیز ہے۔مولانا عبدالحلیم شررؔ نے داستان کو فی البدیہہ تصنیف کہاہے۔ کیونکہ داستان گو سامعین سے براہ راست مخاطب ہوتا ہے۔داستان عام طور پر چار موضوعات کا احاطہ کرتی ہے، رزم،بزم، حسن وعشق اور عیاری(۱۵)۔

موضوع سے ہٹ کر اس کا اپنا الگ ہیتی نظام ہوتا ہے۔ جس کے اجزا کچھ اس طرح ہیں۔

ا۔پلاٹ ب۔ تخیل اور رومان ج۔ مثالی کردار د۔ فوق الفطرت عناصر ہ۔ خطا بت اور رنگینی بیان و۔مائل بہ طوالت ہونا ز۔ تحیر انگیزی

دنیا کی کوئی زبان داستانوں کے ذخیرے سے خالی نہیں ہے۔ اردو پر اثر انداز ہونے والی دواہم زبانوں اردو اور فارسی کا قدیم ادب داستانوں کے عمدہ نمونوں سے مالا مال ہے۔اسی طرح ہندوستان کی قدیم اہم زبان سنسکرت بھی داستان کی لازوال روایت رکھتی ہے جو اردو ادب پر اثر انداز ہوئی۔اردو زبان وشاعری کی طرح اردو داستانوں میں بھی عربی، فارسی اور سنسکرت داستانوی ادب سے اثر قبول کیا ہے۔شروع شروع میں اردو ادب میں منظوم داستانیں لکھی گئیں۔اردو کی پہلی نثری داستان عطا حسین خان تحسین کی 'نوطرزِ مرصع' بھی ،جس کو اردو کی پہلی نثری داستان کہا جاتا ہے، فارسی داستانوں سے متاثر ہے۔

انیسویں صدی کے شروع میں ہندوستان میں داستان گوئی کے فن نے بڑی شہرت پائی ۔ دہلی اور لکھنؤ کے داستان گو اس میدان میں بہت زیادہ کامیاب ہوئے۔ نوآبادیاتی عہد میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں لکھی گئی داستانیں اردو ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ اگرچہ زیادہ تر داستانیں فارسی سے اردو میں ترجمہ ہوئیں لیکن کافی ساری طبع زاد داستانیں بھی ترجمہ شدہ داستانوں سے اپنے مزاج میں مختلف نہیں ہیں۔

'فسانہ عجائب'، رجب علی بیگ سرورؔ کی لکھی ہوئی داستان، لکھنوی تہذیب وثقافت کا حسین وجمیل مرقع ہے۔

ادبی نقطہ نظر سے داستانیں اردو زبان کے قدیم طرز تحریر کے متنوع نمونے پیش کرتی ہیں۔یہی قدیم داستانیں اردو ناول کی بنیاد بنیں۔ ناول اور داستان میں حقیقت نگاری اور مافوق الفطرت عناصر کا موجود ہونا بنیادی فرق ہے۔ ناول اطالوی زبان کا لفظ ہے جو انگریزی کے توسط سے اردو زبان میں رائج ہوا۔ناول کے اجزا کم وبیش داستان سے ملتے ہیں لیکن

زبان و بیاں اور اندازِ نظر کے حوالے سے دونوں ایک دوسرے کے مختلف ہیں۔ ناول اور داستان میں اس اعتبار سے جو بڑے فرق ہیں وہ یہ ہیں۔

ا۔ داستان تخیل کی پیداوار ہے اور ناول حقیقت سے روگردانی نہیں کرتا۔

ب۔ داستان میں فوق الفطرت عناصر کا غلبہ ہوتا ہے جب کہ ناول ان سے پاک ہوتا ہے۔

ج۔ ناول کے پلاٹ میں توازن ہوتا ہے جب کہ داستان کا پلاٹ ڈھیلا ڈھالا ہوتا ہے۔

د۔ داستان میں زبان و بیان اور علامات کی ایک دنیا موجود ہوتی ہے۔ جب کہ ناول کی زبان زیادہ پیچیدہ نہیں ہوتی (۱۶)۔

برصغیر میں انگریزوں کی آمد کے ساتھ ہی پرانا شہنشاہی نظام اپنی اندرونی کمزوریوں کے سبب زوال پذیر ہونا شروع ہوا۔ انگریزوں کی سیاسی طاقت کے بڑھنے کے ساتھ یورپی خیالات اور فکر بھی برصغیر میں نمو پذیر ہونا شروع ہوئی۔ فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں اردو نثر کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ نثری داستانیں لکھی جانے لگیں جنھوں نے زبان و بیان کی سطح پر ہندوستان کی قدیم اصناف ادب کو متاثر کیا۔ یہ سارا کچھ بہت جلدی میں اور تیزی سے نہیں ہوا تھا بلکہ اس صورت حال کو حقیقت بنانے میں قدیم فکر کی ترقی اور جدید علوم کے ساتھ ساتھ عالمی سیاسی اور علمی حالات نے بھی اپنا کردار ادا کیا تھا۔ فی الحقیت عالمی سطح پر یونانیوں کے بعد اہل روما کو تہذیبی اور سیاسی عروج نصیب ہوا۔ چھٹی صدی عیسوی میں اسلام کے ظہور کے ساتھ ہی عربوں نے مشرق اور مغرب کو بیک وقت متاثر کیا۔ چار سو سال تک ایشیا سے یورپ تک بلا شرکت غیرے راج کرتے ہوئے جب مسلم تہذیب ارتقاء کی انتہا تک پہنچی تو جمود کا شکار ہونا شروع ہوئی۔ صلیبی جنگوں کے نتیجے میں اہل یورپ کا براہ راست ٹکراؤ مسلمانوں سے ہوا۔ تب انہیں اندازہ ہوا کہ یورپ علمی سطح پر کمزور اور کلیسا کی مضبوط مگر جامد فکری گرفت کے سبب مسلمانوں سے مقابلے میں کمزور ہے۔ سو سال سے زیادہ عرصہ تک جاری رہنے والی بے نتیجہ اور خون ریز جنگوں سے اہل کلیسا کے چند بیدار مغز لوگوں نے ایک اہم سبق سیکھا کہ ہماری بقا اور ترقی صرف علمی ترقی سے ہی ممکن ہو سکتی ہے۔ رہی سہی کسر مارٹن لوتھر کنگ کی کلیسا کی سخت گیر پالیسی کے خلاف پروٹیسٹنٹ تحریک نے پوری کر دی اور یورپ میں احیائے علوم کی تحریک نے اہل یورپ کو نئے ولولوں سے ہمکنار کر دیا۔ اس وقت تک اہل مشرق ابھی تک حکومت میں وراثتی مسائل حل کرنے سے قاصر تھی اور ہر کوئی اپنے اسلاف کی عظمت کے گن گانے میں مصروف تھا پورا معاشی نظام شاہ اور اس سے وابستہ افراد کے عیش و آرم کے لیے وقف تھا۔ علم کی طلب کمزور ہو چکی اور فلسفہ اور تصوف کی وحدۃ الوجودی تعبیر نے پورے مسلم معاشرے کو بے عمل بنا دیا تھا۔ اس علمی صورت حال میں یورپ سے انگریز اپنی جدید فوجی ٹیکنیکوں اور نئے علوم کے ساتھ ہندوستان میں وارد ہوئے۔

اٹھارویں صدی کے شروع میں برصغیر میں مغلوں کی مرکزی حکومت کمزور ہونا شروع ہوئی اور انگریزوں نے آہستہ آہستہ اپنے قدم جمانے شروع کیے۔ انگریزوں کی سیاسی طاقت کے بڑھنے کے ساتھ یورپی خیالات اور فکر بھی برصغیر میں نمو پذیر ہونا شروع ہوئی۔ فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں اردو نثر کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ نثری داستانیں لکھی جانے لگیں

جنھوں نے زبان و بیان کی سطح پر ہندوستان کی قدیم اصناف ادب کو متاثر کیا۔ سر سید تحریک نے ادبی اصناف کو مزید وسعت اور عقلیت کی طرف متوجہ کیا۔ مقامی لوگوں کے پاس ان نئے خیالات کو ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ اس پس منظر میں بر صغیر کے لکھنے والوں نے حقیقت پسندانہ انداز میں اپنی داستانوی روایت کو نئے رخ کی طرف موڑا۔

سر سید تحریک کے زیر اثر ڈپٹی نذیر احمد نے سماجی مسائل کو اپنے ناول نما قصوں کی بنیاد بنایا۔ ان کا پہلا ناول 'مراۃ العروس' ۱۸۶۹ء میں منظرِ عام پر آیا۔ بعد کی تحقیقات نے یہ ثابت کیا کہ مولوی کریم الدین کا ناول 'خط تقدیر' جو ۱۸۶۲ء میں شائع ہوا تھا(۱۷) اردو کا پہلا ناول ہے جب کہ کچھ نقادوں کی رائے میں منشی سجاد حسین انجم کسمنڈوی کے ناول "نشتر" ترجمہ نہیں بلکہ طبع زاد ہے اور 'مراۃ العروس' سے پہلے لکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر یوسف سرمست نے اپنے مقالے میں یہ ثابت کیا ہے کہ "نشتر" منشی سجاد حسین انجم کسمنڈوی کا طبع زاد ناول ہے اور یہی اردو کا سب سے پہلا ناول ہے[۱۸]۔

یہ امر اہم نہیں ہے کہ کون سا ناول پہلے لکھا گیا اور کون سا بعد میں لیکن انیسویں صدی کے آخر میں ہندوستانی شعور میں واضح تبدیلی آچکی تھی اور داستان سے حقیقت نگاری کی طرف سفر تیزی سے طے ہو رہا تھا جس کے زیر اثر ناول کی ابتدا ہوئی۔ ڈپٹی نذیر احمد نے اپنے ناولوں کے ذریعے حقیقی زندگی کو موضوع بنانا، حقیقت نگاری کی کوشش کی اور ہندوستان میں اردو ناول لکھنے کی روایت کو با قاعدہ قائم کیا۔

اردو کے کثیر تعداد میں نقادوں کے مطابق اردو کا پہلا ناول مراۃ العروس از ڈپٹی نذیر احمد ۱۸۶۹ء میں تحریر ہوا اور اس ناول کا دیباچہ اردو ناول پر تنقید کا نقشِ اولین ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کے دیگر ناولوں کے دیباچے بھی اس ذیل میں شمار کیے جا سکتے ہیں جب کہ اردو ناول پر پہلا باقاعدہ تفصیلی مضمون سید سجاؔد حیدر کا ہے جو معارف علی گڑھ میں ۱۸۹۸ء میں شائع ہوا۔

ڈپٹی نذیر احمد کے بعد سرشار کا دور آتا ہے جنھوں نے اردو ناول کی بنیادوں کو مزید مضبوط کیا۔ اردو ناول کی تاریخ میں پنڈت رتن ناتھ سرشاؔر کے 'فسانہ آزاد' کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ ناول پہلی مرتبہ ۱۸۸۰ء میں نول کشور لکھنؤ سے کتابی شکل میں شائع ہوا جس کے دیباچے میں مصنف نے تین اہم باتوں کا ذکر ہے۔

ا۔ ناول کی اصطلاح پورے اعتماد کے ساتھ استعمال کی گئی۔

ب۔ یہ کہ 'فسانہ آزاد' انگریزی ناولوں کے ڈھنگ پر لکھا گیا ہے۔

ج۔ یہ کہ 'فسانہ آزاد' کا کوئی واقعہ بعید از قیاس نہیں بلکہ تمام واقعات حد ممکنات میں ہیں[۱۹]

مولانا عبد الحلیم شرر نے معاشرتی اور تاریخی ناول لکھ کر اردو ناول کی بنیادوں کو مضبوط بنایا۔ انہوں نے ہی اردو میں پہلی بار اپنی تصنیفات کے لیے ناول کا لفظ استعمال کیا اور ناول کے بارے میں مضامین بھی لکھے (۲۰)۔ اردو ناول کے ابتدائی دور کے تیسرے اہم ناول نگار عبد الحلیم شرؔر ہیں۔ ان کا پہلا ناول 'ملک العزیز ورجینا' ۱۸۸۸ء میں قسط وار چھپ کر مکمل ہوا۔ ان کی فکر بھی ڈپٹی نذیر احمد کی طرح اصلاحی تھی۔ شرؔر کا سب سے اہم ناول 'فردوس بریں' ہے۔ انیسویں صدی

کے آخر میں مرزا محمد ہادی رسوا نے 'امراؤ جان ادا' کے نام سے ایسا ناول تخلیق کیا جو سو سال سے زیادہ کا عرصہ گزرنے کے باوجود آج بھی زیر بحث ہے۔ 'امراؤ جان ادا' اردو ناول کے کلاسیکی سرمائے میں اپنے فنی محاسن کے اعتبار سے امتیازی درجہ رکھتا ہے، اسی دور میں راشد الخیری اور مرزا محمد سعید کے ناول منظر عام پر آئے مگر کوئی اہم مقام نہ پا سکے (۲۱)۔ سرشارؔ، شررؔ، رسوا اور ڈپٹی نذیر احمد کے بعد بیسویں صدی کے شروع میں اردو ناول نگاروں کی پوری کھیپ میدان میں آئی اور پہلی عالمی جنگ سے پہلے پہلے برصغیر میں اردو ناول کی ایک مضبوط روایت قائم ہو گئی۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، "تنقیدی اصطلاحات، توضیحی لغت"، سنگ میل، لاہور، ۲۰۱۱ء: ص: ۲۵۲

۲۔ Smiley, Jane, 2006,'Thirteen Ways of Looking at the Novel', Anchor books, New York ,pp 14.

۳۔ ایضاً: ص: ۱۵

۴۔ "The Novel records the quuarrel between particulr individual and the society in which he are she live." John Peck,1995,'How to Study a Novel',Mac Millan. London, pp5

۵۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، ۲۰۱۱ء: ص: ۲۵۳

۶۔ وارث علوی، ۲۰۰۰ء، "فکشن کی تنقید کا المیہ"، آج کی کتابیں، کراچی، ص: ۳۲

۷۔ عبد السلام، پروفیسر، ۱۹۷۳ء، "اردو ناول بیسویں صدی میں"، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ص25

۸۔ یوسا، ماریو برگس، 'نوجوان ناول نگار کے نام خطوط'، مترجم میمن، محمد عمر، شہر زاد کراچی ۲۰۱۰ء: ص: ۷

۹۔ وارث علوی، ۲۰۰۰ء: ص: ۳۷

۱۰۔ سلیم اختر،ڈاکٹر،۲۰۱۱ء:ص ۲۵۲

۱۱۔ Hawthorn, Jeremy,2005, 'Studying the Novel', 5th Ed,Hodder Arnold, London, pp65.

۱۲۔ ایضاً:ص ۶۴

۱۳۔ ایضاً:ص ۶۷

۱۴۔ ہاشمی، رفیع الدین،۱۹۷۹ء،”اصنافِ ادب“، طبع دوم،سنگ میل،لاہور:ص ۱۱۶

۱۵۔ شررؔ،عبدالحلیم،مرتبہ محمد اکرم چغتائی،۲۰۰۶ء:ص ۱۲۹

۱۶۔ ہاشمی، رفیع الدین،۱۹۷۹ء:ص ۱۲۳

۱۷۔ محمود الٰہی،ڈاکٹر،۱۹۶۵ء،”اردو کا پہلا ناول۔خط تقدیر“،دانش محل، لکھنؤ

۱۸۔ سرمست،ڈاکٹر یوسف،۱۹۷۳ء،”بیسویں صدی میں اردو ناول“، نیشنل بک ڈپو،حیدرآباد دکن:باب دوم ص ۳۶تا ۱۰۳

۱۹۔ اسلم آزادؔ،ڈاکٹر،۱۹۹۰ء،”اردو ناول آزادی کے بعد“،سیمانت پرکاش، نئی دہلی:ص ۲۶

۲۰۔ عبد السلام، پروفیسر،۱۹۷۳ء:باب دوم ص ۴۱ تا ۱۰۸

۲۱۔ اسلم آزادؔ،ڈاکٹر،۱۹۹۰ء:ص ۲۷